بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

اردو اپنے وطن میں بے وطن ہونے کے باوجود کشمیر سے کنیا کماری تک مقبول ہے اردو کے وہ ہندوستانی پتھر علاقے جہاں اردو کو مقبولیت حاصل ہونا دشوار تھا۔ الحمد للہ وہاں بالکل والہانہ انداز میں سند قبولیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ آج کل اردو جہن کٹھن اور دشوار گذار منزلوں سے گذر رہی ہے قدم قدم پر رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آ رہی ہیں ان کا اظہار ایک دکھ بھری کہانی سے کم نہیں ہے مگر اردو پر حق تعالٰی کی جانب سے نصرت و تائید کی بارش جو ہو رہی ہے اس سے یہ بالکل واضح ہوتا جا رہا ہے کہ اردو کی مقبولیت جو عالمگیر شہرت کی حامل ہے درحقیقت اردو دشمن عناصر کے لئے زہر قاتل ہے اور اردو کی ترقی میں حائل ہونے والے موانع اور مشکلات کے رخسار پر ایک بھر پور اور سے کافتور طمانچہ ہے۔

اردو کی یہ بھی ایک حیرت انگیز صفت ہے کہ موافق اور مخالف دونوں گروہوں سے اپنا رشتہ جوڑ رکھی ہے اور ان تعلقات سے متاثر ہو کر اپنا دامن وسیع سے وسیع تر کرتی جا رہی ہے۔

کیرالا میں اردو کو قدم جمائے ایک زمانہ بیت گیا۔ ایک طرف اردو کی کشش انگیز جاذبیت سے اہل کیرالا مسحور ہوئے جا رہے ہیں تو دوسری طرف ابتدائی و ثانوی مدارس میں ملازمت کی پرکشش خواہشات سکے نوجوانوں کے جذبات کو ابھار رکھا ہے اسپر مختلف ادارے اساتذہ کی تیاری پر گامزن ہیں۔ ابتدائی و ثانوی مدارس کا انتظامی عملہ بھی اردو اساتذہ مقرر کرنے پر مائل ہے کیونکہ ان کے لئے ہزار ہا روپے بطور رشوت حاصل کرنے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے بہر کیف اردو کے قدم کیرالا میں مضبوطی جمے ہوئے ہیں۔

ریاست کیرالا میں آج کل جملہ چار کالجوں میں اردو کی تعلیم بی اے کی سطح پر جاری ہے اور فاروق کالج میں شعبۂ اردو قائم ہوئے تئیس سال کا طویل عرصہ ہو گیا مگر یہ تحریر کرتے ہوئے نہایت ہی افسوس ہوتا ہے کہ شعبۂ اردو کی ترقی پر انتظامی عملہ کی توجہ خاطر خواہ نہیں ہے اور اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انتظامی عملہ کے اکثر اراکین کے دلوں میں اردو کی اہمیت، وقعت اور ہمدردی پائی جاتی ہے ذرا سی توجہ سے شعبۂ اردو کی ترقی ہو سکتی ہے۔

الحمد للہ اس سال کالج میں بی، اے کی سطح پر بطور اختیاری مضمون اردو کو لایا جا رہا ہے خدا کرے کہ ایم، اے کا کورس بھی جاری کیا جا سکتا ہے مگر اردو کا اس قدر طاقتور اور جانفشاں شیدائی کہاں سے لایا جائے خدا کرے کہ کسی بندۂ خدا کو یہ سعادت نصیب ہو جائے

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہو جائے ؟

اردو میں ادبی و تہذیبی اقدار

لسانیاتی اصول کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اردو ہند آریائی زبان ہے اسکی بنیاد دہلی اور مغربی اتر پردیش میں بولی جانیوالی زبان کھڑی بولی پر رکھی گئی ہے جو مدھیہ پردیش کے شور سینی اپ بھرنش سے نکلی ہوئی ہے۔

اردو زبان کی تاریخ اس بات کی بھی شاہد ہے کہ اس کا خمیر کئی زبانوں کی آمیزش سے تیار ہوا ہے ہندوستانی زبانوں کے اثرات اس زبان و ادب کے ہر پہلو پر نظر آتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ اردو زبان غیر ہندوستانی زبانوں سے بھی کافی متاثر ہوئی ہے جس سے اردو زبان میں نہ صرف وسعت پیدا ہوئی اور اس کا خزینۂ الفاظ وسیع سے وسیع تر ہو گیا بلکہ اس میں نئے نئے اصناف ادب بھی رواج پا گئے جدید سے جدید ترین اسلوب بھی اس میں جنم لینے لگے اسمیں اسقدر جنم لینے لگے گہرائی اور گیرائی پیدا ہو گئی کہ اردو زبان و ادب کا شمار دنیا کی مہذب ترین زبانوں میں ہو گیا عالمی شہرت رکھنے والے ادارے اسکی طرف متوجہ ہونے لگے حتیٰ کہ دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں اردو زبان و ادب کی تدریس کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے مختلف اصناف پر تحقیقی کام بھی ہونے لگا ہے۔

اردو زبان کی ہمہ گیر صلاحیت کا اندازہ اس حقیقت کے اظہار سے مزید واضح تر ہو جاتا ہے کہ اسمیں عربی فارسی ترکی اور انگریزی زبان کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں اس میں ہند یوروپی زبانوں کے جتنے الفاظ ملتے ہیں اسقدر کسی اور ہندوستانی زبان میں نہیں ملتے اردو زبان کی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں غیر زبان کے الفاظ شامل ہو کر خود اردو کے الفاظ بن گئے ہیں دنیا کی تہذیب یافتہ زبانوں میں جاری شدہ نئے لئے اصناف ادب اور جدید رجحانات اردو زبان و ادب کے دامن میں پرورش پا رہے ہیں قدیم و جدید اسالیب اور مخترعات کا جتنا ذخیرہ اسمیں پایا جاتا ہے اتنا ہندوستان کی کسی اور زبان میں موجود نہیں ہے۔

اردو زبان کا ڈھانچہ تو ہند آریائی لسانی اصول پر تیار ہوا ہے اسکے اندر ہندوستانی روح موجود ہے۔ ہندوستانی قصے کہانیاں گیت اور نظمیں اسکی خمیر میں شامل ہیں فارسی زبان کی غزلیات داستانیں اور مثنویات سے اسمیں رنگینی پیدا ہوتی ہے اس زبان کی فصاحت و بلاغت کے طلسمی اثرات و اسالیب سے اسمیں دلکشی پیدا ہو گئی ہے۔ عربی زبان کے اصناف نظم و نثر اور اسکے دلفریب اصلاحات سے اسمیں بلا کی جاذبیت پیدا ہو گئی ہے مغربی زبانوں سے آزاد نظم سانیٹ، ترائیلے، ناول افسانہ اور انشائیہ وغیرہ جدید اصناف

سخن میں شامل ہو گئے ہیں۔

اردو زبان کی یہ کرشمہ سازی ہے کہ عالمی ترقی یافتہ زبانوں کے اثرات قبول کرنے کے باوجود اسکا بنیادی مزاج بدل نہیں سکا اسکی انفرادیت اپنی جگہ برقرار ہے۔

ہندوستان میں تین سو سے زیادہ زبانیں رائج ہیں۔ کشمیر سے کنیا کماری تک دراوری، آریا، مسلمان اور بعض مغربی قومیں بھی آباد ہیں ان سب میں اردو کروڑہا لوگوں کی مادری زبان ہے جو یوپی، بہار، مدھیہ پردیش، راجستھان دہلی، آندھرا پردیش، مہاراشٹرا اور کرناٹک میں رہتے ہیں اور جہاں صدیوں سے اردو زبان و ادب کی خدمت کی جارہی ہے۔

ہندوستانی تہذیب کی سب سے نمایاں خصوصیت انجذاب اور آمیزش ہے۔ اس وسیع و عریض ملک میں کئی قومیں آئیں، لڑیں اور پھر یہیں بھائیوں کیطرح مل جل کر رہگئیں یہاں کی خاک پاک نے ان سب کا لہو اپنے اندر جذب کیا اور تمام کی معاشی، سماجی، سیاسی، ادبی اور تہذیبی تحریکات اور کاوشوں کو اپنے ہاں پنپنے کی اجازت دی۔ مذہب اور اخلاق، تاریخ و فلسفہ، شعر و ادب، موسیقی و مصوری اور سنگ تراشی وغیرہ فنون پر ہر ایک قوم کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ اس چھاپ پر کئی قسم کی رنگین پرچھائیاں نظر آتی ہیں لیکن اس اختلاف میں ایک اتفاق نظر آتا ہے اندرونی طور پر ان تمام اقوام اور انکی کارروائیوں میں ایک ہندوستانی جذبۂ اتحاد کارفرما ہے یہی وہ جذبۂ اتحاد ہے جسکی اردو زبان آئینہ دار ہے ہندوستان کی سیاسی سماجی اور مذہبی تحریکات اور انکی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی سالمیت اور بقا کیلئے اردو زبان و ادب نے جس طاقت بیرونی قوتوں کا تجزیہ کر کے مخالف زہریلی اور مہلک عناصر کا مقابلہ کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ہندوستان کی کوئی زبان خواہ وہ ہندی ہو یا بنگالی اسکی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ ہندوستانیوں میں قومیت اور آزادی کی تحریک کو آگے بڑھانے میں انیسویں صدی کی ابتداء سے آج تک اردو نے جو حصہ لیا ہے اس سے ہر کس و ناکس واقف ہے۔ حصول آزادی کے دوران علامہ کا ترانہ ہے

"سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا"

جو رول ادا کیا ہے اسکے مقابل ہندوستانی زبانوں کی کوئی نظم پیش نہیں کی جا سکتی۔ لوگ جانتے ہیں کہ حصول آزادی کی جدوجہد اور آزادی کے بعد ایک مدت تک ہندوستانیوں کی زبان پر کشمیر سے کنیا کماری تک اقبال کا ترانہ ہندی کا ہی راج تھا۔ موجودہ قومی ترانہ پتہ نہیں گمنامی کے کس گوشہ میں پڑا ہوا تھا۔

اسماعیل میرٹھی، شبلی، چکبست، سرور جہان آبادی اکبر اور اقبال وغیرہ کا کلام حب الوطنی اور ہندوستانی قومیت کے جذبات سے معمور ہے۔ سرسید اور حالی کے تحریرات میں ہندوستانی ادب و تہذیب کی جو اصلاح ہوئی ہے اسپر تاریخ شاہد ہے۔

ہندوستان آزاد ہونیکے بعد جمہوریت میں ضلل انداز مخالف طاقتوں کو پامال کرنے اور بیرونی ناشائستہ تہذیب و کلچر کے اثر کو زائل کرنے میں اردو ادیبوں اور شاعروں نے جو رول ادا کیا ہے وہ جدید ہندوستانی تاریخ و تہذیب کا ایک زرین باب ہے۔

بہر کیف فرد و ملت کی جسمانی، دماغی، ذہنی ترقی کے ساتھ انسانیت کے تہذیبی اقدار کو اجاگر کرنے جمالیاتی اور اخلاقی قدروں کو نکھارنے میں اردو ادب پیش پیش رہا ہے۔ ادب اور زندگی میں باہم رابطہ پیدا کرنے کی ہزارہا کوششیں اردو ادب میں پائی جاتی ہیں۔ اردو ادب میں انسانی تہذیب اور ہندوستانی کلچر کی روح مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہے اسکی انفرادیت بجائے خود ایک طویل مضمون کا متقاضی ہے۔

اردو زبان میں جو نزاکت ہے اور اس نزاکت میں جو جاذبیت اور تہذیبی قدریں ہیں ان سب کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو تہذیب بجائے خود ایک الگ مستقل تہذیب ہے جسکے ناز و انداز کی مثال کوئی اور زبان پیش نہیں کرسکتی۔

اردو درحقیقت تہذیبی نزاکت اور اخلاقی نکھار کا ایک خزانہ ہے اسکی نزاکت میں شاہانہ جمال ہے اور اسکے جمال میں شاہانہ نزاکت ہے جسکی طرف نشاندہی کرنیکے لئے ایک شعر عرض ہے ؎

فرش مخمل پہ میرے پاؤں چلے جاتے ہیں
غنچہ چٹکا تو کہا سر میں دھمک ہوتی ہے

گو یہ شعر ایک شاعر کے مزاج کی نوابی شان کا آئینہ دار ہے لیکن اردو تہذیبی نزاکت کی جو ترجمانی یہاں پائی جاتی ہے وہ یقیناً بے نظیر ہے۔

میر کا ایک مشہور شعر اردو کی نزاکت اور جمال پرستی پیش کرنا بھی بے سود نہ ہوگا۔

نازکی ان کے لب کی کیا کہئے
اک پنکھڑی گلاب کی سی ہے

اردو ادب نے جہاں انسانی اور اسکے تہذیبی اقدار کو بڑھایا اور پروان چڑھایا ہے وہاں قومی اور ملکی سطح کو بھی بلند سے بلند تر کر دکھایا ہے۔ قوم و ملک کی اہمیت، انسانی تہذیب کیساتھ قوم و ملک کے گہرے رشتے پر بھی کافی مواد اردو ادب میں پایا جاتا ہے۔ تاریخ اردو میں ایسے سینکڑوں شعراء اور نثر نگار ملتے ہی ہیں جنہوں نے قوم و ملک کی ترقی و بہبودی پر اپنی عمریں صرف کردی ہیں اردو ادب میں قوم و ملک کی اہمیت پہ تاریخ لکھی جائے تو کئی ایسے ادب نواز شخصیتوں کا پتہ چلتا ہے جنہوں نے قومی و ملکی سطح کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر اردو ادب میں ارفع و اعلیٰ لٹریچر پیش کیا ہے۔

اردو ادب ایک گلشن ہزار رنگ ہے جہاں اسلامی تصوف اور یونانی فلسفہ کی تشریح ملتی ہے وہاں اسکے ڈانڈے ویدانتی فلسفہ اور مغربی فلسفہ تک ملائے جاسکتے ہیں۔ مشرق و مغربی فلسفوں کے نکات کی وضاحت اور انکے موازنہ و مقابلہ پر بھی ایک گراں قدر ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ اردو کا ادیب و شاعر مذہب و معرفت کے اخلاقی اقدار کا جو نقشہ پیش کیا ہے اسکو دیکھکر عقل حیران ہو جاتی ہے حالی کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔ ؎

ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

مشرقی فلسفہ ہو یا مغربی فلسفہ اسکا تجزیہ کرنیکے بعد ہی اس نتیجہ پہ پہونچا جاسکتا ہے یہ ایک ایسا گلشن ہے جس میں مبدا آفیاض کی بو مہکتی رہتی ہے۔

اردو ادب و تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ عالمی سطح پر جو تبدیلیاں ہوتی آئی ہیں انکو

اپنایا گیا ہے مگر ان نئے رجحانات و میلانات اور نئے نئے نظریات پر نظر غائر ڈال کر اس پر مائل ہوا ہے اور مفید و صالح اقدار اپنایا ہے غیر مفید اور مضر اقدار سے ہمیشہ اردو کا دامن بچایا گیا ہے علیگڈھ تحریک ہو یا ترقی پسند تحریک اس کے بڑھنے و نکھرنے پر اردو شاعر و ادیب نے نہایت احتیاط سے قدم بڑھایا ہے۔ دنیا کی تمام ادبی تحریکیں یک مشت اردو میں داخل نہیں ہو گئیں بلکہ تدریجاً ان کی جڑیں مضبوط ہوئی ہیں۔

اردو ادب و تہذیب کی حیرت انگیز صفت اردو کی سخت جانی ہے۔ اس کے دشمن بھی ہیں۔ مگر ان سے اسقدر خوف نہیں ہے جسکے دوست نما دشمن سے ہے جنکی بدولت اردو کے خلاف ہزاروں طوفان اٹھے اور اٹھ رہے ہیں اور ادب و تہذیب کا یہ عالم ہے کہ اردو ہر طوفان کے بعد زندہ تر اور پائندہ تر ہوتی آرہی ہے چند لوگ اردو کو بدیسی زبان کہکر اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو کچھ لوگ اصلاح و ترقی کے نام پر اسکے جسم و روح کو مخدوش کرنے پر مائل ہیں لیکن اردو کی قوت حیات کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ ایسے سنگین اور مخالف ماحول میں بھی وہ دب دب کر ابھرتی آرہی ہے وطن میں بے وطن ہو کر بھی سب کی منظور نظر بنتی جارہی ہے اسی لئے دن بدن یہ زبان ہمہ گیری اور وسعت کی حامل ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ کیرالا جیسی اردو تہذیب کے بنجر علاقہ میں بھی اردو زبان کی اشاعت پر کئی تحریکیں روبہ عمل ہیں۔

بہر کیف اردو میں ادب اور زندگی دوش بدوش ہیں انسانیت اور اسکی شرافت کی بلندی ہے اس کا کلچر اٹوٹ ہے اس کا ادب انمول ہے جس میں فرد و ملت کے تہذیبی اور اخلاقی اقدار کا ایک گراں قدر ذخیرہ ہے

ایک پیغام

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو مری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

(اقبالؒ)

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
افعال صفر سے کچھ نہ کرنا اچھا
اکبر سنتا ہے اہل غیرت سے یہی
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

(اکبر)

غالب کی خطوط نویسی

اپنے جذبات اور خیالات کو دوسروں تک پہنچانے کے تین طریقے ہوتے ہیں۔

پہلا۔ تکلم، دوسرا۔ اشارہ، تیسرا۔ کنایت۔

تکلم اور اشارہ کا وجود عارضی ہوتا ہے تکلم اور اشارہ میں پائیداری نہیں ہوتی مگر کنایت کو دوام نصیب ہے وہ پائیدار ہوتی ہے۔ یہی کنایت ادب کا جنم لئے دنیا کی مختلف زبانوں میں رسی اور بسی ہے اور ظاہر ہے کہ عالمی زبانیں اپنے ادب کو بام عروج پہ پہنچانے کے لئے آپس میں مسابقت کر رہی ہیں۔

ادب زندگی کا آئینہ ہے جسمیں انسان حیات اور کائنات کے مختلف روپ دکھائی دیتے ہیں حیات اور کائنات کی ترقی اور تنزل کا عکس ادب میں پایا جاتا ہے خطوط نگاری ادب کا ایک انوکھا روپ ہے جسمیں اکیلا کاتب اپنے جذبات، خیالات اور واقعات مکتوب الیہ تک پہنچاتا ہے۔

درحقیقت مکتوب نگاری میں دو شخصیتوں کی محفل سجی رہتی ہے جو وقتی طور پہ دنیا سے بے خبر رہکر طویل مسافت کے باوجود ایکدوسرے کے قریب ہو جاتے ہیں زندگی کے نشیب و فراز پر تبصرہ کرتے ہیں اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کرتے ہیں، منصوبے تیار کرتے ہیں۔ خطوط کئی طرح کے ہوتے ہیں ادبی خطوط تجارتی خطوط، دفتری خطوط اور نجی خطوط۔

ان اصناف مکتوب نگاری میں نجی خطوط عام دلچسپی کے حامل ہوتے ہیں اس عام دلچسپی میں ایک کیفیت پائی جاتی ہے۔ اس کیفیت میں ایک رنگارنگی ہوتی ہے انکے تنوع میں ایک کشش ہوتی ہے۔

ایک ماہر مکتوب نگار نجی باتوں میں رنگ بھر کر مکتوب نگاری کو گلدستۂ ہزار رنگ بنا دیتا ہے جس سے ہر قاری لطف و مسرت رنج و غم یا غیظ و غضب کی عجیب دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ دراصل خطوط نگاری کی ابتداء انسانی تہذیب کی ابتداء کے ساتھ ملی جلی ہے انسانی تہذیب جس انداز سے نکھرتی اور سنورتی رہی اسی طرح خطوط نگاری بھی نکھرتی اور سنورتی رہی۔ ہر زبان و ادب میں خطوط نگاری کا ایک طویل اور ضخیم دفتر موجود ہے اس دفتر پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے ان خطوط میں اہل زبان کی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے انکی معاشرت کے نقوش دکھائی دیتے ہیں ان میں ان کے جذبات کی پرچھائیاں منڈلاتی معلوم ہوتی ہیں۔

عالم مکتوب نگاری میں عربی، رومی اور انگریزی مکتوبات کی خاص اہمیت ہے جنمیں

مذہب، معاشرت، معیشت اور پند و نصائح کے
چند خاکے پائے جاتے ہیں اردو زبان کے نشو و نما
کے دوران اردو نثر نگار اور شاعروں کی مکتوب
نگاری بزبان فارسی ہوا کرتی تھی۔ اردو زبان
میں خطوط نگاری فارسی کے زیر اثر جاری ہوئی
فارسی مکتوبات کے مجموعات خطوط ابوالفضل
رقعات عنایت علی وغیرہ فارسی مکتوب نگاری کی
صحیح نشاندہی کرتے ہیں اردو زبان میں خط و
کتابت کا جب رواج ہونے لگا تو مکتوبات مسجع
و مقفی عبارت میں لکھے جانے لگے مکتوب نگار اپنی
صلاحیتیں محاسن لفظی اور قافیہ پیمائی صرف کیا
کیا کرتا تھا۔

طویل القاب آداب و مراسم عرض کا
سلسلہ بھی اس قدر طویل ہوا کرتا تھا کہ اصل
مضمون کے لئے بعض اوقات خطوط میں
گنجائش ہی نہیں رہتی تھی رسمی باتوں کا ایک
دھارا ہوا کرتا تھا۔

اسد اللہ خاں غالب جو اردو میں خطوط
نگاری کے موجد ہیں غالباً ۱۸۵۱ء تک بزبان
فارسی خطوط لکھا کرتے تھے۔ غالب کی خطوط نگاری
نثر نگاری اور خطوط نگاری میں زمین و آسمان
کا فرق ہے ان کی تقاریظ اور ان کے مقدمات کتب
بھی اور مسجع عبارت میں موجود ہیں لیکن غالب
کے خطوط ان روایتی قیود سے بالکل آزاد ہیں غالب
خطوط نگاری کا اسلوب ہی نرالا ہے۔ غالب
وہ شخص ہیں جنہوں نے اردو مکتوب نگاری
کو نیا راستہ دکھایا۔ القاب و آداب کے طویل سلسلہ کو
یک لخت ختم کر دیا مسجع و مقفی عبارت کو ترک کر کے
سادہ بول چال کی زبان اختیار کی۔ پر تکلف طرز سے
دامن کشی کر کے خطوط نگاری کی زبان میں ایک فطری
انداز داخل کیا جس کی آج بھی پیروی کی جا رہی ہے۔

غالب کے خطوط جدید اردو ادب میں بڑی
اہمیت رکھتے ہیں غالب کے تقریباً ایک ہزار سے
زیادہ خطوط تحریر کئے ہیں جن میں اکثر بلکہ تمام تر ادبی
اور نجی خطوط ہیں ان کے ادبی خطوط میں علمی مباحث
ادبی نکتے، اشعار کی تشریح اور اصلاح کلام کے
عجیب و غریب رموز پائے جاتے ہیں۔

غالب کے نجی خطوط میں غالب کی زندگی کے
نقوش ملتے ہیں۔

غالب کی اقتصادی حالت، معیشت، معاشرت
اور ان کے ماحول کا ایک بہت بڑا ذخیرہ غالب کے
خطوط سے حاصل ہوتا ہے۔ غالب کے نجی خطوط میں
ان کے سماج کی صحیح تصویر دکھائی دیتی ہے۔

غالب کے خطوط کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے
کہ ان میں القاب و آداب کا فرسودہ طریقہ ترک
کر دیا گیا ہے خیریت نگاری کے قدیم دستور کو
بھی پس پشت ڈال دیا گیا ہے اس کا یہ مطلب
نہیں ہے کہ غالب ہر کس و ناکس کو ایک ہی انداز
سے خطاب کرتے ہیں جہاں القاب و آداب کی
طوالت کو ختم کیا ہے وہیں مختصر ترین الفاظ
انتخاب کئے ہیں اور ساتھ ساتھ حفظ مراتب
بھی خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے۔

غالب کے خطوط کی مابہ الامتیاز خصوصیت ان کی مکالمہ نگاری ہے۔ غالب نے درحقیقت مکتوب کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ خط اس طرح لکھتے ہیں جیسے مل بیٹھ کر آپس میں باتیں کر رہے ہیں کبھی کبھار غائب کو مخاطب بنا لیتے ہیں اور کبھی خود کو غائب بنا کر پیش کرتے ہیں۔ مکالمہ نگاری سے قاری مسحور ہو جاتا ہے۔

غالب کے خطوط کی ایک اور نمایاں خصوصیت جو ان خطوط کو ناول اور ڈرامے سے زیادہ دلچسپ بنا دیتی ہے وہ ان کی شوخی و ظرافت ہے۔ غالب کی مزاح نگاری ابتذال اور فحاشی سے پاک ہے ان میں عریانیت نام کو بھی نہیں۔ ان کی ظرافت میں شرافت ہے اور شرافت میں وقار ہے۔ انہوں نے اپنی باوقار ظرافت سے بڑے بڑے کام نکالے ہیں مثلاً ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی جو تاریخ میں غدر ہند کے نام سے موسوم ہے کے بعد مسلمانوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا الم، افلاس و غربت اطراف سے بلائے جان کی طرح گھیر رکھی تھی۔

غالب کو بھی اس طوفان خیز مصیبت سے دوچار ہونا پڑا تو انہیں اپنے کپڑے فروخت کرنے پڑے تھے۔ اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہ۔ اور لوگ تو روٹی کھاتے ہیں اور میں کپڑا کھاتا ہوں۔ غالب ایک ماہر نباض اور ادا شناس تھے ظرافت ان کے لئے ایک ہتھیار تھی جس سے بعض اوقات احباب کی فرمائش کو ٹال دیتے تھے تو بعض اوقات اسی ہتھیار سے حسن طلب کا کام بھی لیتے تھے۔ سوال کی خفت اور بدنمائی کو خوشنمائی کا جامہ پہنا دیتے تھے۔

غالب کے خطوط میں مجروح اور مغموم شخصیتوں کو ایک تسلی ہے۔ ان خطوط کو پڑھ کر غم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ دوستوں کی دلداری کا انہیں خاص سلیقہ تھا۔ خطوط غالب کے مطالعہ کے بعد قاری غالب سے قریب ہو جاتا ہے غالب کے خطوط میں انسانی ہمدردی کے سچے نقوش ہیں جن میں رنج و غم خوشی و مسرت کے ملے جلے آثار بھی پائے جاتے ہیں گو غالب کے خطوط جنم لئے ایک صدی کا طویل عرصہ بیت گیا تاہم غالب کو ان کے خطوط میں ایک جیتا جاگتا انسان دکھائی دیتا ہے۔

غالب کے خطوط کی زبان سادہ اور شیریں ہے۔ عام طور پر نہایت بے تکلف انداز میں غالب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے لیکن بعض خطوط ایسے بھی مل جاتے ہیں جن میں اس دور کا اصل رنگ نظر آتا ہے اور خطوط کی عبارت مقفیٰ و مسجع دکھائی دیتی ہے۔

غالب کے خطوط کا ایک خاص رنگ ہے ان میں شوخی اور بانکپن چھلک رہے ہیں ان میں تکلف کی بجائے سادگی، آورد کے بجائے آمد دکھائی دیتی ہے غیر مانوس ترکیبات سے گریز کر کے عبارت کو رنگین اور نمکین بنا دیا ہے بہرکیف اردو خطوط نگاری کو جدید راہ پر لگانے والوں میں غالب کا نام سرفہرست ہے چنانچہ غالب کی شوخی تحریر کو دیکھ کر اقبال نے بالکل سچ کہا ہے ؎

شاہد مضمون تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دلی گل شیراز پر

خصائص القرآن ومزاياه

— حمزة . كے . ٹے .

« ذلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتّقين »

هذه الهداية التي هي الوصف المميز للقرآن تجمع كل ما هو لازم لاصلاح العالم والارتقاء إلى مستوى يستطيع به الانسان أن يحقق خلافة الله بهدايته . ومن ثم كان هذا القرآن أصدق الحديث وخير الهدى . وجميع أغراضه وكل معانيه تدور في مجموعها حول هذا المعنى الشريف وليس له غاية سواه . فمهما حوت الآيات الشريفة من العقائد وغيرها فكلها يرد النفوس الجامحة من الضلال ويهديها إلى الصراط المستقيم .

والقرآن كلام الله الذي نزل به الروح الأمين على محمد صلى الله عليه وسلم فحفظه ووعاه وبلغه إلى أصحابه وتناقله المسلمون بعدهم جيلا بعد جيل . وهو آخر الكتب السماوية التي أنزلها الله على رسله ، ومنها التوراة التي أنزلها الله على موسى ، والزبور الذي أنزله الله على داود ، والانجيل الذي أنزله الله على عيسى عليهم السلام . وكل الكتب السماوية السابقة كانت خاصة بزمن معيّن . ولم تزل جارية المفعول حتى ينزل كتاب آخر بشريعة جديدة تنسخ السابقة ، فأنزل الله هذا القرآن الكريم الذي لا كتاب بعده . ويبقى هذا الكتاب إلى يوم القيامة يهدي الله به من يشاء من عباده إلى سواء السبيل .

إعجازه

ميز الله القرآن الكريم عن غيره من الكتب السماوية السابقة بخصائص ومزايا لا تجتمع لكتاب غيره . وقد كان اليهود والمنافقون يشكون في أمره . يتحداهم القرآن جميعا : « وإن كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا فأتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءكم من دون الله إن كنتم صادقين » فهذا الكتاب المنزل يتألف من تلك الحروف التي في ايديهم ، فان كانوا يرتابون في تنزيله فليأتوا بسورة من مثله ؛ وليدعوا من يشهد لهم بهذا - من دون الله -

فالله شاهد لعبده بالصدق فى دعواه. وهذا التحدى ظل قائما فى حياة الرسول وما يزال إلى يومنا هذا وما يزال القرآن يتميز من كل كلام يقوله البشر تميزا واضحا قاطعا. وسيظل كذلك أبد الدهر. «فان لم تفعلوا - ولن تفعلوا - فاتقوا النار التى وقودها الناس والحجارة أعدت للكافرين»

السر فى إعجاز القرآن

فما السر الذى جعل القرآن يعجز الحكماء والبلغاء أن يأتوا بسورة من مثله؟ وهذا يرجع إلى امور تضمنها هذا القرآن، وأهمها ما يلى:

أسلوبه ونظمه:

للقرآن أسلوب رائع يتفرد به، لا يشبه نظم الشعراء ولا نثر الخطباء ولا سجع الكهان. إنه أسلوب يهز النفوس ويجذب الأفئدة. ويفعل فى قلوب القارئين والسامعين فعل السحر. لا يزيده التكرار إلا حلاوة وتأثيرا. فقد نزل فى أسلوب لا يبارى فى قوة إقناعه وبلاغة تركيبه حتى قال الوليد بن المغيرة من أكابر خصوم الرسول: «والله لقد سمعت من محمد كلاما، ما هو من كلام الانس والجن، وإن له لحلاوة، وإن عليه لطلاوة. وإن أعلاه لمثمر وأسفله لمغدق» ولقد كان المشركون يعرفون هذه الحقيقة. لهذا حرموا المسلمين فى مكة عن قراءته جهرا لئلا يفتن شبابهم ونساءهم. وكان زعماء الكفر يذهبون فى الليل سرا كلهم على حدة ليستمعوا إلى قراءة النبى صلى الله عليه وسلم من وراء الجدران. وكان تأثير القرآن وحده هو السبب فى دخول الكثيرين فى الاسلام مثل عمر بن الخطاب وجبير بن مطعم وغيرهما.

إخباره بالغيب

وقد اشتمل القرآن على غيوب ماضية كأخبار الأولين وقصص الأنبياء. وكان النبى صلى الله عليه وسلم أميا لا يكتب ولا يقرأ. ولم يكن يعرف شيئا من كتب المتقدمين وأقاصيصهم. قال تعالى: «تلك من أنباء الغيب نوحيها إليك ما كنت تعلمها أنت ولا قومك من قبل هذا». واشتمل كذلك على غيوب مستقبلة، أنبأ بها قبل وقوعها، ثم تحققت فعلا وشهد بها العالم وقد أنبأ القرآن الكريم أن الروم غلبت فى أدنى الأرض، وهم من بعد غلبهم سيغلبون.

مبادئه وأحكامه

إن ما اشتمل عليه القرآن الكريم من مبادئ وأحكام لاصلاح الفرد وتنظيم المجتمع وهداية العالم لهو دليل على أنه من عند الله. لا من عند محمد الأمى ولا من عند غيره من البشر. وقد مضى أربعة عشر قرنا ولا زالت هذه المبادئ والأحكام موافقة لجميع القرون والعصور واثبتت الأيام سموها وصدقها وأن رقى البشرية وسعادتهم يتوقف على اتباعها. وقد كانت هذه المبادئ والأحكام هى العامل الأول فى دخول الكثيرين فى دين الاسلام إلى يومنا هذا.

سلامته من التناقض والاضطراب

وإعجاز القرآن بيّن فى أنه - مع نزوله فى ثلاث وعشرين سنة - يشبه بعضه بعضا، ويشهد بعضه لبعض فى مقاصده وفصاحته، وهدايته وتأثيره، فلا خلل فيه ولا اضطراب، ولا تناقض ولا اختلاف: «أفلا يتدبرون القرآن، ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا»

تحقيقه لمسائل علمية تفوق مستوى البشر فى عصره

ومن إعجاز القرآن أنه اشتمل على كثير من المسائل العلمية التى كانت مجهولة عند البشر فى عصر نزوله. والتى ايدتها البحوث العلمية فى هذا العصر فسبقت الزمن بأكثر من ألف عام.

منها ما أثبته من أن الماء أصل الحياة، قال تعالى: «وجعلنا من الماء كل شيئ حىّ». ومنها: أن الله خلق من كل شيئ زوجين». ولم يكن هذا معروفا إلا فى عالم الانسان والحيوان. فأثبت العلم الحديث أن كل النباتات تشتمل على الذكور والاناث. وفى هذا يقول القرآن: «ومن كل الثمرات جعل فيها زوجين اثنين» بل بين القرآن أن هذه السنة عامة فى كلّ شيئ.

عجز القرون المتوالية أن تنقض شيئا منه

ومن إعجاز القرآن أن اربعة عشر قرنا مرت على نزوله، تطور فيها العالم، وتغيرت الافكار والمناهج، وبدا كثير من الخلط

كسوف شمس

عبد الغفور. ب. ك.

المسلمون هم تاريخ عصر ومنارة جيل ووراث حضارة سماوية، ارتقوا فى عصر من العصور إلى قمة إمارة العالم لم تصل إليها سائر الأمم حتى اليوم. أشرقوا كالشمس تنشر أشعتها فى كل فج عميق، سبقوا فى ميادين العلم والأدب ووسعوا آفاقها فى كل عصر ومصر، ورأينا فى حياتهم الاسلام يسير معهم حيث ساروا. كانوا إحدى العجائب ارتج لها ملوك كسرى وقيصر ونهض بها الشرق والغرب، واجتمع الناس حول أتباع هذا الدين مقتبسين منه الهداية مستمدين منه القوة. وما زال هذا الدين يخرق الأجيال لا يتوقف ولا يتوانى ينضم الى ركبه جيل بعد جيل حتى أضحى الآن ستمأة مليون.

ما ظهر هذا السواد من الأمة ببياض السيف المسلول - وكيف وقد أعلن القرآن « لا إكراه فى الدين، ولكم دينكم ولى دين » ولكن دراسات الاسلام فاضت من معتنقيه الذين ظلوا نبلاء أعزاء فى القوم. وبذل المسلمون كل جهودهم لنشر الاسلام ونفذ نوره كل باب مغلق. كذلك أضاء كل ناحية متراكمة الدجى « اعرضوا عن زينة الحياة الدنيا وكفروا بكل

والخطأ والخرافة فى معارف الأقدمين وكتبهم حتى بين كبار العلماء والفلاسفة. ولكن هذا الكتاب الكريم ظل فى قمة شامخة بما فيه من حقائق ومعارف، لا يستطيع عقل أن يرفضها كما لا يستطيع علم أن ينقضها.

فالقرآن الكريم هو آية الله الكبرى على نبوة محمد وصدق رسالته. به تحدى أمة العرب - وهم أئمة البلاغة وفرسان البيان - أن يأتوا بحديث مثله، أو بسورة مثله، فعجزوا تماما مع حرصهم على تكذيبه وبذلهم الأرواح والأموال فى محاربته ومع عنف التحدى واستمراره.

اله مصطنع إلا الله. كانت غايتهم الوحيدة وجه الله وجنته - ذلك هو الفوز العظيم - بنوا الجنة فى الدنيا والآخرة - «تلك أمة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون»

قد تحولت هذه الأمة عن ماضيها الزاهر قلبا وقالبا ولا ننسى أن نبينا محمد (ص) ربى هذه الحديقة فى العرب الصحراويين ويسرنا اليوم انبلاج الزهور فى هذه الفيفاء. هكذا يجعل الاسلام الرمال مثمرة بسحابه الايمانى. ولكن المسلمين اليوم فى مفترق الطرق. تخلفوا وتدهوروا فى كل مجال بعد أن كانوا أعزاء سابقين. هذه عبرة تاريخية تقررت بمر الأجيال. جاء الأنبياء وارتقى أصحابهم إلى إيوان العالم طالما كانوا متبعين تعاليمهم - فضل الله بنى اسرائيل على العالمين لما تمسكوا بدينهم - ولم يمض زمان طويل حتى لعنهم الله بقوله «كونوا قردة خاسئين» بكفرهم وضلالتهم «ما يبدل القول لدى وما أنا بظلام للعبيد». ما كان الله أن يخص بنى إسرائيل بعداوته وانما هو موقفه من الذين يعتدون حدوده والله لا يحب المعتدين.

اوحى الله إليهم أولا إقرأ باسم ربك الذى خلق» ثم أنزل عليهم «إنما يخشى الله من عباده العلماء» قال النبى صلعم فى معرضها «اطلبوا العلم ولو بالصين» ولكن المسلمين يهيمون أميين فى الأرض لا يتفكرون ولا يعقلون شيئا عن هذا الكون وأسراره. تأخروا فى العلم حتى لا يزال فيهم من لا يقر الى الآن بنزول الانسان فى القمر، الأسف كل الأسف بأنهم لا يشعرون بجهالتهم. وهذا من أسباب اتهام الناس بأن الاسلام يضاد العلم ويحول دون ترقية العالم وتقدمه هل تسمعون أحدا من المسلمين نال جائزة نوبل فى مادة من المواد؟ إن المسلمين فى نوم عميق ... لا رجاء من بعده فى يقظة! أما المسلمون اليوم فانما اسلامهم عنوانهم ربما يكون أبائهم أو أجدادهم أو أسرهم مسلمين، يعتنقون أديانا غير الاسلام كالشيوعية والاشتراكية. أف لما يعملون وأف لما يأمرهم به إيمانهم! كيف يمنحهم الله العزة والرفعة والرخاء! انما وعدها الله للمتقين والمؤمنين. «ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين» وكان حقا علينا نصر المؤمنين» هل نحن مسلمون؟ هل نحن مؤمنون؟ ونحن بلا عمل

ندعو الله لنا بالعزة. نريد الحصاد بغير ولا نزرع هذه أمانينا. ولم ينصر الله نبيه محمدا (ص) حتى ابتلاه بالمشقات والغزوات. ولن تجد لسنة الله تبديلا».

المسلمون يحتاجون دائما إلى القوة. يواجهون اليوم قحط المال وقحط الرجال. وهم يُقتلون ولا يقتلون أحدا - فاتتهم القوة والشجاعة التى تصدر من إيمانهم بالله وباليوم الآخر- يهنون ويحزنون لأنهم لا يؤمنون وبالعكس مع العجب تنفق البلاد الغربية مثل فرنسا وانجلترا أموالهم وأنفسهم ليحفظوا وطنيتهم وعصبيتهم - لا نستطيع أن تقدر عددهم وعددهم - ولكن المسلمين يتولون من المعركة فى حين «ان الله اشترى من المؤمنين أموالهم وأنفسهم بأن لهم الجنة» هل هم مستعدون لهذه التجارة التى تنجيهم من عذاب أليم؟ وإلا فتكون لهم الخسارة والهزيمة - وأنفقوا فى سبيل الله ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة.

قال الله تعالى إنما المؤمنون إخوة! شتان بين هذه الآية وطبيعة المسلمين اليوم وتعاملهم. وهم يتنازعون ويتكالبون ويقتلون جاء الاسلام ووجد شمل العرب وأيقظهم من سبات. كانت عندهم الأخوة الاسلامية يدفع واحد منهم الماء إلى أخيه المسلم الذى يراه محتضرا ويموت وهو راض بعد أن يشرب الماء! وأين هذه الأخوة؟ وفى المساجد يقومون صفا كأنهم بنيان مرصوص وفى خارجها يخرجون تحت رايات مختلفة! وهذا التفرق نتيجة عدم اعتصامهم بحبل الله جميعا.

هذه الحالة مؤسفة جدا نرجو أن ينهض المسلمون من جديد وأن تصاغ هذه الأمة فى قالب جديد. يظهر دينهم على قوميتهم ويكون الاسلام هو القوة المحركة لكل أعمالهم وآمالهم، والقرآن دستورهم يستمدون منه منهج حياتهم، يعملون للإسلام ويضحون بالنفس والنفيس فى سبيله «إن تنصروا الله ينصركم» المسلمون إذا تفهموا كنه دينهم وعاشوا حسب دراسات نبيهم فلا بد يستردون عزتهم ومجدهم! إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم.

أمة ذابلة

P. A. Pookoya MA (Final)

مالت الشمس إلى مغربها وشرعت الظلمة تتكاثف فى الآفاق فراحت الطيور إلى أوكارها ترثى ضوء النهار المحتضر وصارت الظلمة تتراكم وتركب بعضها بعضا إذ تصاعدت السحابة المشحونة من كل الجهات الثمانية فما لبثت أن نزلت مهطالة إلى الأرض يواكبها الرعد والبرق كأنها جيش مظفر يهجم هجوم الواحد تحر الركب فى أمرهم لما تجهمت السماء عليهم بغتة فما استطاعوا أن يتقدموا فى طريقهم خطوة لأنهم أرادوا متابعة الخطى راوا أمامهم عراقيل لم يقدروا حتى أن يتبينوها بله أن يقتحموها لشدة الظلام. أما هذه العراقيل فلم تكن فى الحقيقة الا قوافل مثلهم تعرقلت فى عرض الطريق حتى ظنت هى ايضا بالآخرين ظنونا فلم يلبث ان اشتد بينهم الخصام والنزاع والاشتباكات فكادوا جميعا أن يضلوا الطريق ويقعوا فى المهاوى العميقة المملوئة بكل سوام وهوام قتالة.

وما زالوا كذلك حتى أضائت الأفق أشعة الشمس الطالعة ولكن لم يتبينها إلا قليل منهم إذ أن أكثرهم كانوا فى شبه بلادة من أهوال البرق والرعد. ولم يلبث أن أقلعت السماء وصفا الجو واطلع الفجر من رؤوس الجبال والآكام بعصاه المضيئى يبدد كل الظلام والأهوال من آفاق السماء ومن أعماق قلوبهم فأتى الصبا إثره ببلسم الروح والراحة وعرفوا حقيقة مالهم وتعارفوا فيما بينهم وتبين كل منهم سواء السبيل. أما هذه الشمس فلم تكن إلا رسول الهدى والرشاد أرسله الله إليهم ليهديهم سبيل الحق ويعلمهم الحقوق التى

تربط بعضهم بعضا وتربطهم بربهم الذى خلق فسوى.

كانت الضلالة العمياء تحول بينهم وبين هذا الرسول ولكن الهدى ربما تنفذ من أستار الضلالة وليضيئى أعماق القلوب المظلمة فترى نورا لهداية وتنجذب إليها، وكذلك لبوا دعوة هذا الرسول ودخلوا فى الدين أفواجا وصاروا اخوانا متحابين بعد أن كانوا أعداء متضاربين، ولم يكن لاحد أن يخط ببياله أن هذه الأراضى القاحلة الجرداء ستنبت فى يوم من الأيام شجرة طيبة أصلها ثابت وفرعها فى السماء تؤتى أكلها كل حين باذن ربها، لأن أهلها كانوا غارقين إلى آذانهم فى كل ضلالة معروفة على وجه الأرض وإنه لمن الظواهر العجيبة فى تاريخ العالم أن هؤلاء الناس تغلبوا على الممالك العريضة العريقة وأزالوا عرائسها المؤسسة على غير التقوى ثم ساسوا ذلك العالم سياسة مثالية أحدثت الحضارة الانسانية حقبة مديدة تعج بالعمالقة فى حقول الحياة بأسرها فقدموا للعالم هذه الانجازات الضخمة ولم تكن عدتهم إلا هذا الدين وما فرضه من الحياة الدينية.

ولكن ما حال هذه الأمة الراهنة؟ نراهم تفرقوا شيعا وأحزابا تتقاتل ويضرب بعضهم أعناق بعض، ومن المؤسف أن الدين الذى ألف بينهم وجمع شملهم فجعل منهم أمة متماسكة مرهوبة الجوانب هو الذى قد صار الآن منشأ جميع هذه المخاصمات والمنازعات. وما سبب هذه الظاهرة الغريبة؟ إذا تعمقنا فى صميم المسألة نرى أن الأمة الحاضرة إنما يتقمصون الدين ولما يدخل الايمان فى قلوبهم لأن قلوبهم فياضة بالمادية وجميع النزعات الأرضية. فهم حين يرون زخارف الحضارة الغربية البراقة يتهافتون فيها تهافت الفراش فيحرقون دينهم وثقافتهم الاسلامية، فأنى لهم فى هذه الحالة أن يثمنوا إدراك مدى أسلافهم الأمجاد فعليهم أن يتداركوا قبل فوات الأوان ويرجعوا ثوبا الى تعاليم هذا الدين الحنيف ويعضوا عليها بالنواجذ لأن آخر هذه الأمة لا يصلح إلا بما صلح به أولها.